نوعمر میڈیا اور سوشل میڈیا

تحریر: سہیل احمد لون

Colosseum، ویٹیکان میوزیم روم، آزادی کا مجسمہ نیویارک، Louvre میوزیم وآئیفل ٹاور پیرس، basilica سپین، گولڈن گیٹ برج امریکہ، Stonehenge انگلینڈ، لندن آئی، Palace of Versailles فرانس، بنکاک اور دوبئ کے شاپنگ مالز کے علاوہ یورپ برطانیہ امریکہ کینیڈا سمیت دیگر ممالک کے ڈسکوز، نائٹ کلب، تھیٹرز، تعلیمی مراکز میں ایسی ویرانی چھائی ہے کہ بندہ چند ماہ قبل گمان نہیں کر سکتا تھا۔ کرونا وائرس کی وحشت گردی نے تمام مذاہب کے مراکز کو بلا امتیاز نشانہ بنایا۔ ٹورازم ریونیو کے حساب سے امریکہ، سپین، برطانیہ، تھائی لینڈ، جرمنی، فرانس، چین، اٹلی، ہانگ کانگ، اور آسٹریلیا دنیا کے ٹاپ ٹین ممالک میں شامل ہیں مگر چند ہفتوں میں دنیا کی معیشت کا نقشہ یکسر بدل گیا، دوسو سے زائد ممالک اس وقت کرونا وائرس کی زد میں ہیں۔ جرمنی، ہالینڈ، اٹلی، برطانیہ، سپین اور امریکہ سمیت دیگر ترقی یافتہ ممالک کی طبی سہولیات کا بھرم بھی ٹوٹ گیا۔ سائنسدان اور ریسرچرز کرونا وائرس کی ویکسین دریافت کرنے میں دن رات ایک کر رہے ہیں تا کہ دنیا کو خوف، بے یقینی اور ہیجانی صورت حال سے باہر نکال سکیں۔ اس مشکل صورت حال میں حکومتیں اپنی عوام سے تعاون کی درخواست کر رہی ہیں کہ وہ گھروں میں رہیں اور اشد ضرورت کے بنا باہر نہ جائیں اسی وجہ سے اکثر ممالک میں جزوی یا مکمل لاک ڈاؤن بھی کیا گیا ہے۔ پاکستان میں بھی گورنمنٹ عوام سے یہی اپیل کر رہی ہے کہ گھروں میں رہیں تا کہ وائرس پھیلنے کی شدت میں کمی آئے۔ گزشتہ دنوں وزیر اعظم عمران خان نے سینئر صحافیوں کے ساتھ ایک میٹنگ کی تھی جس کا مقصد یہی تھا کہ میڈیا اپنا مثبت کردار کیسے ادا کرے؟ مگر وہاں بھی چند صحافیوں نے کرونا وائرس کے موضوع سے ہٹ کر سیاستانہ صحافت اور سوال کرنے شروع کر دیے۔ جہاں ''سینئر صحافیوں'' کا یہ حال ہو گا وہاں عام پبلک سوشل میڈیا پر کتنی سنجیدہ ہو گی اس بات کا اندازہ کرونا وائرس کی آفت کے بعد لاک ڈاؤن کے دوران سوشل میڈیا پر گردش کرنے والے ٹک ٹاک، ویڈیو اور آڈیو کلپس، عجیب وغریب ٹوٹکے اور گھٹیا جگتیں دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ میڈیا اور سوشل میڈیا آزاد ہونا چاہئے مگر اتنا آزاد بھی نا ہو کہ جھوٹی من گھڑت خبروں کو اتنا شیئر کر دیں کہ وہ سچ لگنا شروع ہو جائیں۔ میڈیا اور سوشل میڈیا ابھی بلوغت کے دور سے گزر رہا ہے اور دونوں ابھی ٹین ایجرز ہی ہیں مگر اسے استعمال کرنے والے اکثر لوگ بالغ ہیں۔

انتہائی منفی حالات میں سوشل میڈیا کے مثبت استعمال کی ایک مثال برطانیہ میں 2014ء میں دیکھنے کو ملی جب ایک نوجوان سٹیفن سٹن (Stephen Sutton) صرف انیس برس کی عمر میں انتقال کر گیا۔ اس کی وفات کی خبر کو میڈیا میں بریکنگ نیوز کا درجہ دیا گیا۔ سوشل میڈیا میں سٹیفن سٹن کے مرنے کی خبر پہلے ایک گھنٹے میں ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد مرتبہ شیئر کی گئی۔ برطانیہ کی تمام نیشنل نیوز پیپرز نے اس خبر کو فرنٹ پیج پر شائع کیا، ریڈیو اور ٹی وی پر بھی ٹاک شوز کا موضوع بحث بھی آنجہانی ٹیفن سٹن ہی رہا۔ اس وقت کے برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کے علاوہ دیگر سیاسی، سماجی اور شوبز سے تعلق رکھنے والی مشہور شخصیات نے اس کی وفات پر تعزیت کے پیغامات دیے۔ باؤل کینسر سٹیفن سٹن کے مرنے کی وجہ بنا، پندرہ برس کی عمر میں برمنگھم کے کوئین الزبتھ ہسپتال میں اسے پتہ چلا کہ اسے بڑی آنت کا

سرطان ہے جواس سٹیج پر پہنچ چکا تھا جہاں سے اس کا علاج ممکن نہیں تھا۔ برطانیہ میں ڈاکٹروں کو بھی مریض سے سچ بات کرنے کی بیماری ہوتی ہے، جب ڈاکٹروں نے سٹیفن سٹن کو بتایا کہ اب وہ بہت زیادہ دیر تک اس دنیا میں نہیں رہ سکتا تو پندرہ برس کے نوجوان نے اس موذی مرض کو جواس کے جسم کو تو تیزی سے لاغر کر رہا تھا، اسے اپنے دل و دماغ پر حاوی نہیں ہونے دیا۔اس نے باقی ماندہ زندگی سرطان کے خوف کے سائے تلے گزارنے کی بجائے ``منا بھائی ایم بی بی ایس ``والے اس کریکٹر کی طرح گزارنے کا فیصلہ کیا جو مرنے سے پہلے بھرپور جیتے ہوئے اپنی زیادہ سے زیادہ خواہشات کی تکمیل چاہتا تھا۔اس کے علاوہ سٹیفن سٹن کچھ ایسا کرنا بھی چاہتا تھا جس سے مرنے کے بعد بھی اس کا نام اچھے لفظوں میں زندہ رہے۔اس کی چند خواہشات میں ایک ہاتھی سے گلے ملنا، جسم پر ٹاٹو بنوانا، سکائی جمپ لگانا اور ڈرم بجانا وغیرہ شامل تھا۔سکائی جمپ اور ڈرم بجانے کے لیے اس کو باقاعدہ تربیت بھی حاصل کرنا پڑی، سکائی جمپ کرنے کے بعد وہ پہلے ایرینا میں نوے ہزار تماشائیوں کے سامنے ڈرم بجا کر UEFA کپ کی افتتاحی تقریب کے موقع پر اپنا یہ سپنا بھی پورا کر لیا۔انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور میں سٹیفن سٹن نے سوشل میڈیا پر ایک مہم (Campaign) کا آغاز کیا جس کا مقصد (Teenagers) کو سرطان جیسی موذی سے بچانا تھا۔اس نے ایک فلاحی ادارہ (Teenage Cancer Trust) بنایا۔پھر سوشل میڈیا کے ذریعے چندہ اکٹھا کرنا شروع کیا۔جس میں اسے کافی کامیابی ہوئی، ایک موقع پر جب وہ کوئین الزبتھ ہسپتال برمنگھم سے ڈسچارج ہو کر گھر گیا تو سوشل میڈیا پر کچھ لوگوں نے اس کی مہم کو پبلک سٹی اسٹنٹ کا نام بھی دینا شروع کر دیا مگر چند روز گھر میں رہنے کے بعد سٹیفن سٹن کی حالت خراب ہونا شروع ہوگئی تو اسے دوبارہ ہسپتال منتقل کر دیا گیا جہاں وہ بالآخر زندگی کا بازی ہار گیا۔پھر وہی لوگ جو اس کی فلاحی مہم کو تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے، افسوس کرتے نظر آئے۔سٹیفن سٹن نے مرنے سے قبل تقریباً £3.4 ملین صرف سوشل میڈیا پر (Campaign) کر کے اکٹھے کیے، اس کی موت کے بعد اس کی چیرٹی کو مزید ڈونیشن ملیں جس سے یہ رقم اب 4 ملین پاؤنڈ سے تجاوز گئی۔سٹیفن سٹن نے سرطان کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے جس طرح بہادری اور خوش دلی سے اس کا مقابلہ کیا اور مرنے تک انسانیت کی خدمت کے لیے مہم چلاتا رہا، یہ ایسے کام تھے جس کی تعریف برطانوی وزیراعظم سے لیکر ایک عام آدمی نے بھی کی۔ریڈیو، ٹی وی پر مختلف پروگراموں میں سرطان پر بحث و مباحثہ ہوا، جس میں سرطان کے مریضوں، ڈاکٹروں اور سیاسی رہنماؤں نے حصہ لیا جس کا مقصد یہ تھا کہ عوام میں زیادہ سے زیادہ آگاہی آسکے، لوگوں کو اپنا ٹیسٹ کرواتے رہنے کی ہدایات دی گئیں تا کہ سرطان کا مرض ابتدائی ایام میں ہی پتہ چل سکے۔کیونکہ زیادہ وقت گزر جانے کے بعد اس کا علاج ممکن نہیں رہتا۔سٹیفن سٹن کے کینسر کا پتہ لگنے سے اس کی موت تک سوشل میڈیا کے توسط سے اسے اپنی خواہشات کی تکمیل کے علاوہ انسانی خدمت کے لیے فلاحی ادارہ بنا کر اس کی تشہیر کر کے تقریباً ساڑھے تین ملین پاؤنڈ جمع کرنا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

میڈیا پرنٹ ہو یا الیکٹرانک یا سوشل یہ اچھا یا برا نہیں ہوتا بس اس کا استعمال اس کو اچھا یا برا ہونے کا لائسنس فراہم کرتا ہے۔وطن عزیز میں بجلی، گیس، انصاف، روزگار، تعلیم و صحت کے پلان، قانون کی بالا دستی اور سب سے بڑھ کر انسانیت کی بہت کمی ہے مگر ہم فتوؤں میں خود کفیل ہیں۔کافر، حرام، مرتد، شہید، کے فتوے اور سرٹیفکیٹ جاری کرنے میں ہم شاید سب سے آگے ہیں، حیرانگی کی بات

یہ ہے کہ فتووے اور سرٹیفکیٹ جاری کرنے والوں کے پاس داڑھی کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں جسے دیکھ کر ہمیں مومن ہونے کا شبہ ہو۔ میڈیا پر عرصہ دراز سے مارننگ شوز کے نام پر ہمارے ثقافتی اور مذہبی قدروں کو پامال کیا جا رہا ہے، ایسا ہی کچھ ڈراموں اور سٹیج شوز میں بھی ہو رہا ہے۔ میڈیا بلاشبہ انفارمیشن کے ساتھ ساتھ انٹرٹینمنٹ کے لیے بھی ہوتا ہے مگر انٹرٹینمنٹ کے نام پر اگر رمضان ٹرانسمیشن کوئی ٹک ٹاک کوئین کرنا شروع کر دے تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ وطن عزیز کی تاریخ تو یہی بتاتی ہے کہ یہاں قانون وانصاف صرف عام انسان کے لیے ہے، امیر، بدمعاش، ڈاکو، لٹیرے اور دہشت گردوں کو تو یہ قانون تحفظ فراہم کرتا ہے۔ پیمرا بھی اس ناگ کی طرح ہے جو صرف کمزور کیبل آپریٹرز یا کسی ماڑے میڈیا مالکان کے سامنے ہی پھنکار سکتا ہے یا ڈستا ہے۔ ووڈے میڈیا گروپ کے آگے اس کو شریفانہ بین بجا کر امن کی پٹاری میں بند کر دیا جاتا ہے۔

برطانیہ کا پندرہ برس کا نوجوان سوشل میڈیا سے چار برس میں اگر ساڑھے تین ملین پاؤنڈ اکٹھا کر کے انسانی خدمت کر سکتا ہے۔ تو ہمارے آزاد میڈیا کی عمر بھی اب ماشاءاللہ انیس برس ہوگئی ہے اور سوشل میڈیا بھی بالغ ہونے کو ہے تو پھر ہم کب تک آپس میں لڑتے رہیں گے؟ کرونا تبلیغی، ایرانی، یورپی، امریکی یا چینی ہے اس بحث سے ہٹ کر پاکستانی بن کر اس سے بچنے کی مثبت مہم چلائیں اور یہ کام مرتا ہوا انسان بھی کر سکتا ہے جس کی مثال سٹیون سٹن ہے۔ سوشل میڈیا، پرنٹ یا الیکٹرانک میڈیا اچھا یا برا نہیں ہوتا بس اس کو کیسے آپریٹ کیا جائے اس کا تعین کرنا سب سے اہم بات ہے۔ مگر شاید ہم ایک ٹین ایجر سے میچورٹی کا ثبوت مانگ رہے ہیں، سب ٹین ایجر "سٹیفن سٹن" نہیں ہوتے کیونکہ اُسے بنانے میں بھی برطانوی میڈیا کا بہت بڑا کردار تھا مگر ہمیں یہ بات تو ہمیشہ مدنظر رکھنی چاہیے کہ ہم جو نرسری لگاتے ہیں اُس میں ہمارے من پسند پھل پھول ہی کھلتے ہیں۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

05-04-2020